ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اُردو نظم میں عصری مسائل کا ادراک

(1980ء تا 2023ء)

(Realization of contemporary problems in Urdu Poetry (1980 to 2023)

عرفان رشید
لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور
ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم
لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور
پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد اویسی
صدر شعبہ اردو
لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور

Abstract

The last decades of the 20th century and in the early decades of the 21st century, the human race has been facing many cultural and social problems with immoral bonds and social injustices. In this era, human life seems haunted by oppression, extremism, terrorism, religious bigotry, fraud, social disadvantage, violation of moral values, desecration of customs and traditions, rapid change of human attitudes, humiliation of humanity, killings, materialism, and suffering from many psychological disorders. It seems that in this period of cultural backwardness, the Urdu poem sheltered the above-mentioned topics in its lap. Among the representative poets of this era, Anees Nagi, Ahmed Nadeem Qasmi, Gulzar Ahmed, Hanif Ramey, Ahmed Shahzad, Iftikhar Arif, Ahmed Faraz, Noshi Gilani, Tabsum Kashmiri, Saadat Saeed Amjad Islam Amjad, Fahmida, Riaz, Parveen Shakir and Kishore Naheed are important. In the poems of Hanif Rame, the understanding of contemporary problems is seen on its job.

The hunger, thirst, psychological and sexual violence, as well as human atrocities against each other he gives these subjects form of words by deep heart.

Anis Nagi is a revolutionary and isolationist poet by temperament. Saadat Saeed's speech has a revolutionary color and an element of boldness. The disappearing human civilization is lamenting over the social values and the falling moral condition of man is also lamented. Therefore, the bitter realities of this life become a part of his speech wearing the clothes of words. Kishore Naheed makes the injustices done to the middle class woman as his subject. Blood is the main symbol of Tabsum Kashmiri. He presents the legend of the sufferings of his era wrapped in red colors. Ahmad Nadeem Qasmi's metaphor of blood is a song of social cultural inequalities and social injustices.The poetry of Gulzar Ahmad is the tragedy of social life grief and its silly customs.He has drawn a map of contemporary life and its standard and problems. This article Covers above discussions.

Keywords: Human Race, Culture, Social Injustices, Oppression, Extremism, Terrorism, Human Attitudes, Literature, Poem, Poetry, Contemporary Problems, Revolutionary, Civilization

۲۰ویں صدی کے آخری عشروں میں ظلم و ستم، انتہا پسندی، دہشت گردی، سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور سماجی ناآسودگی کی وجہ سے برّصغیر پاک و ہند میں حالات مزید بد تر ہوتے گئے۔ اکیسویں صدی کے آغاز میں 11/9 کا واقعہ، زلزلہ ۲۰۰۵ء، دین اسلام کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا۔ مسلمانوں کو پُر تشدد اور اس مذہب کو دہشت گرد قرار دیا گیا۔ افغان امریکہ جنگ، عراق امریکہ جنگ اور کئی دیگر عصری مسائل نے نوجوان طبقے کو متاثر کیا۔ شعرا نے کئی نظمیں لکھیں۔

ملک کے پے در پے مارشل لا نے اور ضیاء الحق کی آمریت نے عام فرد کے اندر حب الوطنی کا جذبہ پیدا کر دیا۔ زندگی جب بھی کسی انقلاب سے دوچار ہوتی ہے تو سب سے پہلے ان بنیادی اداروں پر چوٹ پڑتی ہے، جو براہِ راست ہماری معاشرت و معاش پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ بے سمتی اور بے اطمینانی ہے۔ آج

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

کے دور کا انسان اپنے آپ کو تنہا اور کمزور محسوس کرتا ہے۔ وہ بہت سی سماجی اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے، اس کی وجہ ملک کے سیاسی، سماجی، اخلاقی اور اقتصادی مسائل بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جو بھی حکومت آئی، اس نے اپنے قدم جمانے کے لیے ہر وہ کام کیا، جس کے پیشِ نظر صرف اور صرف حکومتی بقا کا مقصد تھا۔ شہریوں کے حقوق اور معاشرے کی فلاح ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔

صدر ضیاء الحق کے دور میں مذہب کے نام لوگوں کے یقین واعتماد کو ٹھیس پہنچائی گئی۔ اس کے بعد جو حکومتیں آئیں، انھوں نے فرد کے اندر نفسیاتی الجھنوں کو بڑھایا۔ ملک کے اندر دولت کی جنگ شروع ہوئی اور فرد کا زندگی گزارنے کا مقصد صرف اور صرف روٹی کھانے اور رزق کمانے کے علاوہ کچھ نہ رہا۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے انسانی اقدار و اخلاق کا مکمل طور پر قتل عام ہوا۔ چوری، رشوت، سفارش جیسی لعنتیں وسیع پیمانے پر سامنے آئیں۔ روحانیت کا شعبہ بالکل معطل ہو گیا اور جس مقصد کے لیے پاکستان وجود میں آیا تھا، اس کا مکمل طور پر خاتمہ ہوتا نظر آیا۔ اس صورت حال کی وجہ سے غریب طبقہ مزید غریب تر ہوتا چلا گیا اور متوسط طبقہ اپنی سفید پوشی بچانے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتا نظر آیا۔ جب کہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ طبقہ مکمل طور پر اندھا نظر آتا ہے۔ اقدار و اخلاق کی پامالی اور دولت کی اس دوڑ میں عام شہری نے بہت اثر لیا اور خاص طور پر حساس شاعر نے احتجاج پیش کیا۔

گلزار عصرِ جدید کے نظم گو شاعر ہیں جن کا کلام زندگی کے کھرے رنج و غم اور خونی رواجوں کا زور آور المیہ ہے۔ انھوں نے دورِ حاضر کی زندگی اور اس کے معیار و مسائل کا نقشہ بخوبی کھینچا ہے۔ دراصل خون دُکھ درد، جذبات و احساسات، آشوبِ زندگی کا آئینہ ہیں۔ وہ اخبارات میں حالاتِ حاضرہ اور زندگی کے صحیح سماجی رُخ سے واقف ہیں، ''سوکھ سوکھ کے کالا پڑ جاتا ہے خون'' اور ''ناک میں خون کی کچی بو''، ''رنگ صبح اخبار میرے گھر''، ''خون میں لت پت آتا ہے'' ان مصرعوں سے واضح ہے کہ کس قدر انسانی زندگی کی ناقدری کی گئی ہے۔

آشوب

سارا دن میں خون میں لت پت رہتا ہوں
سارے دن میں سوکھ سوکھ کے کالا پڑ جاتا ہے خون
پپڑی سی جم جاتی ہے
کھرچ کھرچ کے ناخونوں سے
چمڑی چھلنے لگتی ہے
ناک میں خون کی کچی بُو
اور کپڑوں پر کچھ کالے کالے چِکتے سے رہ جاتے ہیں

روز صبح اخبار میرے گھر
خون میں لت پت آتا ہے[1]

گلزار ''ریفیوجی'' میں کس قدر درد مندی کے ساتھ ۱۹۴۷ء کے سانحہ کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ان کی علامتیں آگ، دھواں، جنگل، خون، آنتیں، آندھی، آنکھیں، صحرا، بھمیری، لاٹو انھیں دیگر شعرا کے مقابلے میں انفرادیت عطا کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ اُردو شعرا کے ہاں ملتی ہیں مگر انھوں نے اسے ایک الگ معنویت عطا کر دی ہے۔ ہجرت کے اس سانحے کے دوران بوکھلاہٹ، مرتی ہوئی خواہش اور اجڑی بستی کے نشان، آلودہ راحتیں ملتی ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

گلزار اس خون آلود زندگی اور انسانی بربریت کا واضح طور پر خاکہ کھینچے ہیں۔ اس دور میں کس طرح انسان نے دوسرے انسان کو اپنا حریف سمجھتے ہوئے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ مایوسی نے ہر جانب ڈیرے ڈال لیے وہ لوگ جو صدیوں سے ایکدوسرے کے ساتھ رہ رہے تھے انھوں نے حرص و طمع میں آکر ایک دوسرے کو جنسی نفسیاتی، جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا۔ جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو نوچ لیا۔

اس نظم میں ایک کردار بھائی کا دوسرا بہن کا تیسرا ماں کا ہے، ماں کس قدر اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے ستم سہتی ہے۔ یہ پھٹی پھٹی آنکھیں، یہ حیران زندگی، خوف زدہ بچے کتنے پشیمان ہیں۔ بچپن کے کھیل کود، بھمیری اور لاٹو ہماری ثقافت کا اب بھی حصہ ہیں۔

ریفیوجی

آگ دھوئیں وار چیخ پکار کے جنگل سے گزرے تھے سارے
ہم سب کے سب گھور دھوئیں میں بھاگ رہے تھے
ہاتھ کسی آندھی کی آنتیں پھاڑ رہے تھے
آنکھیں اپنے جبڑے کھولے بھونک رہی تھیں
ماں نے دوڑتے دوڑتے خون کی قے کر دی تھی
جانے کب چھوٹی کا مجھ سے چھوٹا ہاتھ
وہیں اُسی دن چھینک آیا تھا اپنا بچپن.....

لیکن میں نے سرحد کے سناٹوں کے صحراؤں میں اکثر دیکھا ہے
ایک ''بھمیری'' اب بھی ناچا کرتی ہے
اور ایک ''لاٹو'' اب بھی گھوما کرتا ہے.....! (2)

''پومپیئے'' میں گلزار نے اس زندگی کے اُتار چڑھاؤ کو پیش کیا ہے۔ تہذیبیں نہ جانے کتنیاں اور اس دھرتی پر نمودار ہونے کے بعد فنا ہو گئیں۔ وہ وقت کی گرد میں رفتہ رفتہ دب گئیں، کئی شہر کھود کر اب بھی نکالے گئے ہیں۔ آپ مصر، روما، عراق، دجلہ و فرات، وادی سندھ، وادی نیل، وادی سوان کی مثالیں لے سکتے ہیں۔ انھوں نے تہذیب کی تباہی اور ایک تہذیب پر دوسری تہذیب کس طرح اپنا وجود سکیڑتی ہے، ڈھانچہ تعمیر کرتی ہے۔ اس کی واضح انداز میں مثالیں پیش کرتی ہے۔ انسانوں کے گچھے، آگ، لاوا، مٹی کے منکے، ہانڈی، ٹوٹے ہوئے پیالے، سونے چاندی کے بکس، زیورات، حکمرانوں کے محلات، ٹوٹی پھوٹی فصیلیں، سکے، رائج الوقت ہتھیار، مرصع دستے، غلاموں کو باندھ کر رکھنے کی جگہیں، بیڑیاں، لٹکی ہوئی مٹی کی زبانیں، گذشتہ انسانی تہذیبوں کا اک بھرپور خاکہ قاری کے ذہن کے میں اُتر آتا ہے۔ وہ مدفون تہذیب اور عصرِ حاضر کی تہذیب کا دبے لفظوں میں تقابل کرتے ہیں۔

اس نظم میں بھی، بھوک پیاس اور پیٹ کا دوزخ بھرنے کی..... اس کا مرکزی خیال ''فنا پذیری'' ہے یہ کائنات بالآخر زوال آمادہ ہے کسی چیز کو قرار میسر نہیں ہے۔ انسان کی تمدن گاہیں، یہ بوسیدہ فصیلیں، اس کی پختہ اور تہذیب..... تہذیب کی نشاندہی کرتی ہیں۔

پومپیئے

پومپیئے، دفن تھا صدیوں سے جہاں
ایک تہذیب تھی پوشیدہ وہاں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

شہر کھودا تو تواریخ کے ٹکڑے نکلے

ڈھیروں پتھرائے ہوئے وقت کے صفحوں کو جو الٹا ہم نے
ایک بھولی ہوئی تہذیب کے پُرزے سے بچھے تھے ہر سُو
منجمد لاوے میں اکڑے ہوئے انسانوں کے گچھے تھے وہاں
آگ اور لاوے سے گھبرا کے جو لپٹے ہوں گے
وہی مٹکے، وہی ہانڈی، وہی ٹوٹے پیالے
ہر جگہ ملتی ہیں انساں کی تمدّن گاہیں
ہونٹ ٹوٹے ہوئے، لٹکی ہوئی مٹّی کی زبانیں ہر سُو
یعنی اس وقت بھی تھی بھوک بھی اور پیاس بھی اور پیٹ بھی تھا
سونے چاندی کے جڑے بکس تھے زیور سے ٹھنسے
حکمرانوں کے محل، ان کی فصیلیں، سکے
رائج الوقت جو ہتھیار تھے اور اُن کے مرصّع دستے
بیڑیاں پتھروں کی، آہنی پیروں کے کڑے
اور غلاموں کو جہاں باندھ کے رکھتے تھے
وہ پنجرے بھی بہت سے نکلے

ایک تہذیب یہاں دفن ہے اور اس کے قریب
ایک تہذیب رواں ہے کسی دریا کی طرح
جو مرے وقت کی ہے(3)

حنیف رامے کی نظموں میں عصری مسائل کا ادراک بھرپور ادراک بھرپور انداز میں ملتا ہے۔ وہ بھوک پیاس، نفسیاتی و جنسی تشدد کے ساتھ ساتھ انسان کے ایک دوسرے پر ڈھائے گئے مظالم کو بھی بڑے دل فگار انداز میں لفظوں کا روپ دیتے ہیں۔ اس کے لیے وہ جانوروں، درختوں، پرندوں، مکانوں، آگ، خون، لاوا اور دیگر علامتیں گھڑتے ہیں۔ اس نظم ''گریبان'' کا موضوع ''بدامنی'' ہے وہ امن کے خواہاں ہیں۔ کبوتر اور فاختہ کو امن کی علامت کے طور پر برتا جاتا ہے۔ انسانی بربریت اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ گئی جب اس نے بازو کا استعمال شروع کیا۔ کئی خون ریز جنگوں نے نسلِ انسانی کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ ''یہ قتل و غارت یہ خون خرابہ کب ختم ہو گا''، ''یہ زیر دستوں کا صبر، یہ زبردستوں کا جبر'' ہر طرف لوٹ مار، جھوٹ، انسان کے دل کے تختۂ سیاہ پر نمودار ظلمت کے سیاہی مائل ستارے اس کی اندر کی نگری بھی اندھیر کر گئے ہیں۔ حنیف رامے نے وقت کیت شدد آمیز نبض کو پہچان لیا۔

وہ ۲۰ویں صدی کے ظالم انسان کی تصویر خشی خوب صورت انداز میں کرتے ہیں ''جھانک لو اپنے گریباں میں'' اس مصرع میں خودی کا فلسفہ پوشیدہ ہے اگر انسان اپنے مقاصد کو پہچان لے تو یہ ظلم و ستم رُک سکتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

گریبان

میں نے فاختہ سے کہا
دُنیا میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہے
وہ تمھاری شاخِ زیتون، وہ شاخِ امن کہاں گئی؟
بولی، میں نے تولا کر تمھارے ہاتھ میں دے دی تھی
تمھی کہیں رکھ کر بھول گئے ہو
دیکھو، شاید تمھاری بندوق کی نالی میں نہ پڑی ہو
میں نے تاروں بھرے آسمان کی طرف حسرت سے دیکھا
انسان کے دن کب پھریں گے؟
یہ قتل وغارت، یہ خون خرابہ کب ختم ہو گا
یہ زیر دستوں کا صبر، یہ زبردستوں کا جبر
یہ لوٹ اور جھوٹ آخر ہمارے نصیب میں کیوں لکھ دیے گئے ہیں؟
ایک ستارہ ٹوٹا
اور میرے دل کے تختۂ سیاہ پر یہ رقم کر گیا
''جھانک لو اپنے گریباں میں''(4)

''بازگشت'' میں حنیف رامے زندگی کی اصلی حقیقت اور رب شناسی کے متمنی ہیں۔ وہ انسان کی ناہموار زندگی اور اس کے ظلم وجور کو ان آبادیوں، ویرانوں، گنجان آباد علاقوں میں دیکھتے ہیں۔ انسانی تہذیب نے ان اجالوں کو کس طرح شکست وریخت سے دوچار کر دیا۔ لوگ نادار بنے، گاؤں کے گاؤں اس کی ہٹ دھرمی، بارود کی بو اور اس کی پھیلائی گئی بدامنی و قتل وغارت سے بیمار پڑے، شاہراہوں، پگڈنڈیوں اور چوراہوں پر، بند گلیوں پر ہر جانب اس کی ظلمت کے نشان ملتے ہیں۔

یہ مکتب مندر، مسجد، درگاہوں اور آستانوں میں پجاری دراصل ان گناہ کی منڈیوں کی پیداوار ہیں جنھوں نے نسلِ انسانی کو تہس نہس کرنے میں کسر نہیں چھوڑی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ان کلبلاتی بستیوں، پگڈنڈیوں، چوراہوں، مکتبوں، مسجدوں اور درگاہوں، آستانوں میں انسان تلاش کرنے گیا مگر مجھے کوئی انسان نہیں ملا میں خالی ہاتھ پشیمان آیا۔

بازگشت

تلاشِ خدا نے بہت خاک چھنوائی
دَجلہ بہ دَجلہ، یَم بہ یَم، کوچہ بہ کوچہ، کُو بہ کُو
آبادیوں میں ویران کیا، ویرانوں میں آباد کیا
کلبلاتے شہر، بے رونق قصبے، نادار اور بیمار گاؤں
میں شاہراہوں سے پگڈنڈیوں تک اور چوراہوں سے بند گلیوں تک گیا
مکتبوں، مسجدوں، درگاہوں اور آستانوں سے چلتے چلتے
گناہ کی منڈیوں تک ہو آیا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

خالی ہاتھ ! (5)

(حنیف رامے، ''دن کا پھول'' (نظمیں)،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء، ص۴۸)

حنیف رامے نے نظم ''مردہ خانہ'' میں عصرِ حاضر میں انسانی مسائل کا صحیح ترین زائچہ کھینچا ہے۔ وہ خود کو کباڑ خانے سے، مردہ خانے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ انسان اک مردہ خانہ ہے جس میں فسادات، قتلِ عام، زلزلے، لاشیں، اجتماعی قبروں کی کھدائی کے مناظر یک مشت موجود رہتے ہیں۔ انسان کی خواہشیں اور حسرتیں جس کی لاشیں گل سڑ کر اندر ہی اندر دفن ہوتی رہتی ہیں۔

یہ زندگی اور اس قدر اس کی پذیرائی تبھی ممکن ہے اگر نظام عدل چار سُو قائم ہو۔ فسادات اور قتل وغارت کے دل دور مناظر اور ایک دوسرے کی طرف داری رفتہ رفتہ اس کو ایک مردہ خانہ بنا دیتی ہے وہ حقیقت کی آنکھ سے زندگی کے صحیح مسائل کا ادراک نہیں کر پاتا۔ حنیف رامے عصرِ رواں کے صحیح نبض شناس معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے برّصغیر پاک وہند، دیگر ممالک میں زندگی کے مواد فاسد کو جس طرح دیکھا اس طرح نظموں کا روپ دے دیا۔ ان کی علامتیں اور مشاہدہ تیز ہے۔

مردہ خانہ

خواہشوں اور حسرتوں کے جنازے پڑے ہیں
میرے دل میں قطار اندر قطار
میں نے تشبیہہ دی تھی کباڑ خانے سے اپنے آپ کو
اصل میں تو ایک بہت بڑا مردہ خانہ ہوں میں
فسادات میں قتلِ عام دیکھا ہو شاید آپ نے
زلزلے میں مارے جانے والوں کی لاشیں نکالتے تو دیکھا ہو گا لوگوں کو
یا پھر ٹیلی وژن پر بوسنیا اور کوسوو میں اجتماعی قبروں کی کھدائی کے مناظر....
جب لواحقین کوشش کر رہے ہوتے ہیں لاشوں کو پہچاننے کی
اور ناک پھٹ رہے ہوتے ہیں ان کے سرانڈ سے
جلد از جلد دوبارہ دفنا دی جاتی ہیں یہ لاشیں
لیکن میرے دل میں خواہشوں اور حسرتوں کی لاشیں گل سڑ گئی ہیں پڑے پڑے
اور میں پھر بھی دفن نہیں کرتا انھیں
دفن کرنا چاہتا ہی نہیں
اور چاہوں بھی تو کہاں کروں دفن انھیں؟
دماغ میں؟

(حنیف رامے، ''دن کا پھول'' (نظمیں)،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء، ص112)

''اے روحِ زندگی'' کا موضوع بھی بھوک، افلاس، ناانصافی، بدامنی، مایوسی، جہالت، بیماری، ظلمت و بربریت ہے۔ انسانی زندگی کا پھیلا پڑتا وجود اور ہر طرف اربوں انسانوں کا جیتے جی بھوک و افلاس سے مرنا دراصل اس کی بے حسی کی علامتی ہے۔ اس نے خوشی کی بجائے موت کے رنگ بھرنے شروع کر دیے ہیں۔ ناانصافی اور بدامنی کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

بڑھتے ہوئے اس دریا کو انصاف، امن اور آزادی سے روکا جاسکتا ہے۔ اگر دوستی، محبت اور برابری کی دیوار مضبوط ہو جائے تو انسانیت سکھ کا سانس لے سکتی ہے۔ اے روح زندگی تو ان بے امن، ناانصافی کی دہلیز پر مرتے ہوئے لوگوں کی اُمید بن جاان کی ڈھارس اسی صورت میں بندھے گی جب وہ دوستی، محبت اور برابری کو فروغ دیں گے۔

اے روحِ زندگی

میری دنیامیں تیرے رنگ پھیکے پڑ گئے ہیں
دیکھ، اربوں انسان جیتے جی مر رہے ہیں
ناانصافی، بدامنی، مایوسی، بیماری اور جہالت نے
تیری تصویر میں موت کے رنگ بھرنے شروع کر دیے ہیں
آ، اور بول میرے اندر سے
آ، میرا کلام بن جا، بیان بن جا، میرا قلم بن جا، مو قلم بن جا
آ، انصاف، امن اور آزادی کو ترسے ہوؤں کی امید بن جا
آ، دوستی، محبت اور برابری سے محروم مخلوق کی ڈھارس بندھانے آ
آ، اور جلدی آ
کہ تجھے پکارتے پکارتے کہیں میں ہاتھ توڑ کر نہ بیٹھ جاؤں (6)

انیس ناگی بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں اس ظلمت کدے میں شامل ہوئے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں اپنے عہد کے عصری مسائل کو موضوع بنایا۔ ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۰ء تک پاک بھارت جنگوں، مارشل لا اور دیگر تہذیبی و سماجی مسائل کا تذکرہ ملتا ہے۔ انیس ناگی بھی انھی شرا میں شامل ہیں جنھوں نے اس عہد میں ہونے والی جنگوں کے دوران پاک افواج کے لیے دل دوز نغمے اور جنگی ترانے لکھے۔ یہ رجزیہ اور رزمیہ انداز انھیں انفرادیت بخشتا ہے۔ (7) وہ تنہائی پسند تھے۔ انھوں نے ان ناساز گار حالات اور اندر کی داخلی کو خارجی لمحوں میں سمو کر پیش کیا ہے۔ عالم تنہائی اور دبی ہوئی تاریکیوں کا یہ شعور ان کو فطرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا وہ ایسے شاعر ہیں۔ انیس ناگی نے زمانے کی سفاکی اور انسان کی اخلاقی پامالی، راستوں کی دھول اور سیاسی مسائل کو بھی اُجاگر کیا۔ اس عہد میں زخم خوردہ انسانیت بے خوابی کے دور سے گزر رہی تھی۔ ان کے کلام میں مایوسی و نااُمید کے ساتھ ساتھ اُمید کی کرن بھی دکھائی دیتی ہے۔ (8)

انیس ناگی مزاج کے اعتبار سے انقلابی ہیں۔ لیکن ان کی نظموں میں انقلاب کی آواز دبی دبی ہے۔ انیس ناگی کے شعری مجموعہ ''درخت میرے وجود کا'' میں ''ناعاقبت اندیشی کا شہر''، ''ہلاکت''، ''محاذ پر''، ''عاجزی کے دن'' وغیرہ نظموں میں کئی علامات ایسی ہیں جو اپنے دور کی عکاسی کرتی ہیں۔

انیس ناگی نے ایوب یحییٰ دور میں دبی ہوئی آواز میں اپنے محسوسات کو بیان کیا ہے اور علامات سے بھرپور کام لیتے ہوئے احساسات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے علاوہ جنرل ضیا کے گیارہ سالہ دور آمریت کے خلاف بھی لکھا۔ اس حوالے سے ان کی نظم ''سکتہ'' دیکھی جاسکتی ہے، جس میں پتھر کی علامت کو مختلف جہتوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

سعادت سعید اپنے عصری مسائل کو بخوبی پیش کرتے ہیں۔ اعصاب پر وحشی کا چنگھاڑنا، آدم خاکی کی کٹیا، شریانوں کی فصلیں، معمر، گھاگ، خرطوم وغیرہ اس نظم میں فکری معنویت بڑھی ہے۔ ان کے ہاں ترقی پسندانہ شعور ان کے کلام کو اور بھی مستند کرا دیتا ہے۔ زندگی ان کے نزدیک محض پل دو پل کی سانسیں ہیں۔ اس کا اختیار صرف فطرت کے پاس ہے۔ عدل و انصاف جبر و بے کسی اور بے رُخی معاملات وغیرہ۔ (9)

بے باکی کا یہ عنصر اُردو شعرا کے ہاں کم ہی نظر آتا ہے۔ انھوں نے زیادہ تر اشاروں کنایوں میں بات کی۔ اس لیے اس عہد میں علامت نگاری کو بڑا فروغ ملا۔ عورت کے حقوق کی پامالی کا کرب کسی سے نہ سہا گیا۔ افراد کی شخصیتوں میں ایک حواس کے سوا یہ کچھ نہ تھا۔ سماجی، معاشی اور سیاسی حالات نے عورت کے ذہن اور جنس پرستی کو زیادہ متاثر کیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

یہی وہ عہد ہے جب کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، ادا جعفری اور دیگر شاعرات نے عورتوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کی اور نسائی شاعری کی جانب زیادہ توجہ دی۔ عورت صرف جنس پرستی کے لیے کھلونا نہیں بلکہ زندگی کے گہرے تجربات، تلخ تجربات اور احساسِ محرومی کا دُکھ آپ اس کی تحریروں سے نہیں نکال سکتے۔ عصری مسائل کے پیش نظر احتجاجی رویہ اور انقلابی آواز پیدا ہوئی اور نظم گو شعرا نے اس عہد میں احتجاجی رویہ اختیار کرتے ہوئے ظلم، استحصال، سماجی حد بندیوں، جبر واستبداد، ناانصافی، جھوٹ، بے ایمانی، جبر وستم اور تہذیبی پامالی جیسے موضوعات کو پیش کیا۔ پاکستان میں بدلتے ہوئے حکومتی منظر ناموں نے یہاں کے تہذیبی وانسانی رویوں پر اثر چھوڑا۔ انھوں نے علامتی انداز اختیار کرتے ہوئے یہاں کے تہذیبی مسائل اور کئی فطری سانحات کو پیش کیا۔ یہ وہ عہد ہے جب ملک میں دہشت گردی نے سر اُٹھایا، اسلام کے خلاف سازشیں کی گئیں، زلزلہ زدگان پر آسمانی آفت ٹوٹ پڑی۔ امریکہ اور افغان جنگ، عراق پر امریکی مظالم، دہشت گردی، حب الوطنی، اتحاد عالم اسلام، ۲۰۰۵ء کا زلزلہ، بے کس لوگوں کی بحالی، مارشل لا کے نتیجے میں مسائل، کشمیر کے مسائل، فلسطین کا مسئلہ، ہجرت کا مسئلہ، سیاسی ناہمواریاں، افلاس، بھوک، روپے پیسے کی غیر منصفانہ تقسیم، چوری، رشوت، مذہبی تعصب، صوبائی تعصب وغیرہ اہم ہیں۔(10)

اس جہاں میں چار سُو پھیلے دولت کے بت کدوں میں صرف انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے۔ ان معابد و منادر میں صرف اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لیے نایاب پتھر سجائے جاتے ہیں جس سے ان کی دلی تسکین ہوتی ہے۔ لوگوں کے ارمانوں کا خون ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید نے اپنے تاریخی شعور کے بل بوتے پر مذہبی و سماجی علامتوں کے ذریعے ان سماجی ناہمواریوں، بھوک افلاس اور مذہبی تعصب کو پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر سعادت سعید اس خون ریز دنیا کے معابد کی سجاوٹ کے خواہش مند نہیں بلکہ انصاف کے طلب گار نظر آتے ہیں۔ وہ ظلم و ستم کے اس کٹہرے میں کھڑے انصاف کے طلب گار لوگوں کے آوازۂ حق بلند کرتے ہیں۔ نسلِ انسانیت کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھانے والے انصاف کے ان ٹھیکے داروں نے کبھی اپنے گریبان میں نہیں جھانکا۔ عصرِ حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ بھوک ہے، جہاں انصاف ٹکوں پر بکتا ہے۔ سعادت سعید نے غربت میں پسی ہوئی اشرافیہ کے آنسوؤں کو لفظوں کے موتیوں میں پرو کر پیش کیا ہے۔

اس ظالم سماج میں عورت کی ناقدری اور بڑھتے ہوئے ظلم و ستم، بہن بیوی، بیٹی کے روپ میں اس پر کتنے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ یہ سجی رنگ برنگی محفلیں جہاں پارسائی حرام ہے یہاں سب کا سقی اک بے حس لٹیرا ہے جو اس کی خواہشوں اور حسرتوں کو پامال کرتا ہے۔ یہاں بہنوں کی سننے والا کوئی نہیں۔ بیویاں قفس میں مقید رہ کر زندگی گزارتی ہیں۔ ان کی چتائیں حسرتوں کے چراغوں میں جلتی رہتی ہیں۔ ان کا تاریخی شعور نہایت اہم ہے۔ اپنی نظموں کو فنی معراج تک لے جانے کے لیے وہ ماضی سے خام مال اکٹھا کرتے ہیں۔ بھوکے، گوتم، خشم گیں کالی ماتا ہما، برگدِ وقت

کو بہ کو
کیسے کیسے منادر
معابد سجائے گئے
بت کدوں میں بھی
نایاب پتھر جمائے گئے
برگدِ وقت کی
سرد پاکیزہ چھاؤں تلے
بھوکے گوتم کے
پنجر سجائے گئے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

بے نواؤں کی
کٹیاؤں میں
خشم گیں کالی ماتا کے
سائے گئے(11)

بند کمروں میں
بہنوں کی فریادیں سنتے رہے
بیٹیاں جن کی
چاہوں میں مرتی رہیں.....
بیویاں قفسوں کی طرح
جگمگاتی چتاؤں میں
جلتی رہیں
حکمتیں قید خانوں
میں گلتی رہیں
خون ناحق یہ ہو جو نکیں بھی پلتی رہیں
کوئی نقاش
قصاصی خاکے بنائے
دساور میں بکتے
ہما ڈھونڈ لائے
دلوں کی پکاریں سنائے
یہ ممکن کہاں(12)

سعادت سعید انسان کی سیاہ فام زندگی، زر کے انبار میں سسکتی ہوئی خواہشوں اور بے لگام حسرتوں کو اک.....، یہ حرص کی صدی ہے جس میں انسانی زندگی کے کئی رنگ بکھرے ہوئے ملتے ہیں کہیں قتل و غارت کا سماج ہے کہیں کالی بلائیں بھوک افلاس کی صورت میں معصوم بچوں کو اپنا نوالا بنا رہی ہیں کہیں زر کے رسیا افراد دولت کے انبار لگا کر معصوما نسانوں کا رزق چھین رہے ہیں۔ ان کی قتل و غارت کا سبب بنے ہیں۔ وہ دیوتا کے روپ میں دراصل سیاہ فام لوگوں کی نسلوں کو غلامی چنگل میں لے جانے والے ہیں۔ انسانی شکم تو بھرنے سے رہا۔ زندگی کی کئی تلخ حقیقتیں، سعادت سعید کی نظموں میں لفظوں کا روپ دھار کر سامنے آتی ہیں۔ وہ انسان کا جہاں باغی روپ پیش کرتے ہیں۔ وہاں ناانصافی کے ڈربے میں بند زندگی کی اصل حقیقت بھی سامنے لاتے ہیں۔ ہیرت، جواہرات اور سونے چاندی سے لدی اس زندگی کا اِک رُخ جتنا چمکدار، دیدہ زیب ہے اتنا ہی دوسرا رُخ ظلم کی بھٹی میں تپ کر تیار ہوا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

سعادت سعید ۲۰ویں صدی کے اس غربت زدہ سماج اور دُکھی زندگی کو اپنی مخصوص علامات کے ذریعے ظاہر کرتے ہیں۔ کالی بلائیں، نئے دیوتا، کٹیاؤں، قفس، کشور، پنجر، ہما، خشمگیں، کالی ماتا، برگدِ وقت، منادر، مساجد اور دیگر وغیرہ اہم ہیں جن میں زندگی کا آسیب زدہ رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔

کتنی کالی بلائیں
مسلط ہوئیں
زر کے انبار نے کچھ
شکم بھر دیے
اور ہیرے بناتے
تباہی کے رسیا
نئے دیوتا بھی تراشے گئے!
منڈیوں میں
سیاہ فام نسلوں کے لاشے گئے(13)

کشور ناہید بیسویں صدی میں اپنی پہچان بنانے میں کامیاب ہوئیں۔ انوں نے متوسط طبقے کی عورت ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو اپنا خاص طور پر موضوع بنایا ہے۔ یہ وہ سوال اُٹھاتی ہیں اس سماج میں کہ اگرچہ عورت پڑھی لکھی ہے مگر وہ کم پڑھے لکھنے افراد کی باج گزار بن کر زندگی گزارتی ہے۔ اس کی خواہش اندر ہی اندر دم توڑتی رہی ہیں۔ کشور ناہید نے اجتماعی طور پر نسائی جذبوں کو کھلم کھلا پیش کیا۔ ان کے ہاں یہ طرزِ عمل برّصغیر کی زندگی کے معاشرتی رکھ رکھاؤ اور سماجی بے راہ روی کو پیش کرتا ہے۔ کشور ناہید نے ''بے نام مسافت''، ''نظمیں''، ''گلیاں''، ''دھوپ دروازے'' اور ''ملامتوں کے درمیان'' میں باغیانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے سماج و تہذیب کے خلاف بھرپور مزاحمت کی ہے۔ وہ جس عہد کی پیداوار ہیں اس دور میں مظلوم طبقات پر ستم بڑھ رہے ہیں۔(14)

یہ مزاحمتی رد عمل مفلسی اور بے حسی زندگی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ ان کے ہاں عورت کا یہ باغیانہ رویہ رفتہ رفتہ، ایک احتجاجی صورت اختیار کر رہا ہے۔ وہ خصوصاً مارشل لا کے دنوں میں رشتے ناطوں اور سماجی حد بندیوں کو موضوع بناتی ہیں۔ ان کے کلام میں ''لہو'' کی علامت ایک خاص علامت ہے۔(15)

''چاند کا بلاوا'' میں لفظیات، قتل گاہِ زمانہ، مقتول، قاتل، کٹی شہ رگیں، چاک پیراہن، مسموم جھرنے، قفس، بدن کی اُمنگیں، آرزوؤں کی اہل نگاہیں اور جینے مرنے جیسے متضاد الفاظ کے استعمال سے اس کی فنی صورت واضح ہے۔ عصرِ رواں میں ہر شخص قاتل ہے دیگر افراد کی حسرتوں، خواہشوں اور اس کی خوشبو کا۔ یہ زندگی اپنے ان بدلتے رنگوں کے ساتھ ساتھ اس سیاہی، مائل، چہرے کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے جو ظلمت کدے میں سب کا قاتل ہو۔ منصف انصاف پسند بننے کی بجائے بعض دفعہ

چاند کا بلاوا

قتلِ گاہِ زمانہ میں ہر شخص قاتل ہے
مقتول بھی ہے
مگر اس کو مقتول ہونے کا
قاتل کی چہرہ شناسی کا
احساس تک بھی نہیں ہے
ذبیحے کی خوشیوں میں سب نے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

خود اپنی کٹی شہ رگوں کی خبر تک نہ لی
چاک پیراہنوں کی خبر کون لیتا؟
بدن کی اُمنگوں کا بہتا لہو،
آرزوؤں کی اُبلی نگاہیں،
مقدر کے مسموم جھرنوں سے جھانکے
ستارے چھپے
چاند تاریکیوں کے قفس سے
ہر اک دور جاتے، مسافر کو تکتا رہا
روکنے کی جسارت نہ تھی
روک لیتا تو کیا؟
جانے والوں کے رکنے کا امکان تھا؟
مرنے والے مرے،
جینے والے مرے
روکتا بھی تو کیا؟[16]

تبسم کاشمیری کی اہم علامت خون ہے۔ وہ اپنے عہد کے دُکھوں کا فسانہ سرخ رنگوں میں لپیٹ کر پیش کرتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو تبسم کاشمیری نے تقسیمِ پاک و ہند دیکھی، مارشل لا کے عہد میں انسانیت پر جبر و تشدد دیکھا، ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۵ء، ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگوں میں خون کی ہولی کھیلی گئی۔ کتنے لوگ بے گھر ہوئے۔ سماج پر اس کے بُرے اثرات پڑے، سقوطِ ڈھاکہ نے عوام کو دُکھی کیا تو انھوں نے مرہم رکھنے کی کوشش کی۔[17] اس ملک میں کئی لوگوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ عصر حاضر میں بھی حق داروں کو حق نہیں ملتا۔ امرا کے سونے چاندی کے محلات تعمیر ہو رہے ہیں اور غریب لوگ غربت کی دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں۔ تبسم کاشمیری اپنے عہد کا صحیح معنوں میں نوحہ گر ہے اور وہ اچھا مشاہدہ بیں بھی۔[18]

تبسم کاشمیری نے اپنی نثری نظموں میں کئی سماجی تلخیوں، ظلم و بربریت کا شکار ہوتے معصوم لوگوں اور معاشرے کے اجتماعی جرائم کو پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں تشدد، خوف، دہشت اور بربریت کی بھینٹ چڑھتے غریب لوگ بھی ہیں اور امرا کے ظلم و ستم کی داستانیں بھی۔[19] ان کی نظموں کے عنوانات بھی خاصے دلچسپ ہیں: ''نوحے تخت لہور''، ''پرندے پھول تالاب''، ''سرخ خزاں کی نظمیں'' اور ''تمثال'' کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں انھوں نے ''کاسنی دھوپ میں بارش'' اور ''بازگشتوں کے پل پر'' پیش کیے۔ کلامِ تبسم کاشمیری میں عصری معنویت اپنا خاص اندازِ فکر رکھتی ہے۔[20]

انھوں نے اپنے تمام شعری مجموعوں میں زبان و بیان کا خاص خیال رکھتے ہوئے موضوعات میں شدت اور نئی لفظیات لانے کی لگن کی ہے۔ ان کی نئی شعری زبان معنی خیز بھی ہے اور پُر لطف بھی۔ قاری پڑھ کر اس سے مسحور ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ نظمیں اسے سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔[21] تبسم کاشمیری نے اپنے عہد میں انسانی بے حسی، جبر و تشدد، ظلم و ستم اور امرا کے معصوم طبقے پر ڈھائے جانے والے مظالم کو نہ صرف پیش کیا ہے۔ بلکہ ہم اسے آمریت کے خلاف ایک سخت گیر عمل بھی قرار دے سکتے ہیں۔ انسانی حرمتوں کا زوال، ان کا خاص موضوع ہے انھوں نے بڑی باریک بینی سے بے حس انسان کے اندر موجود اچھائی کو اُبھارنے کی کوشش کی ہے۔[22]

تبسم کاشمیری روندتے ہوئے انسانوں کے رفعت اور حوصلہ مندی کا پیام لاتے ہیں۔ وہ ان کی بحالی کے لیے دعائے خیر بھی کرتے ہیں اور شہر میں ہونے والی تخریب کاری پر مضطرب بھی ہیں۔ سرمایہ دار، جاگیر دار اور آمرانہ طرزِ فکر رکھنے والے سماجی ماحول سے وہ منحرف بھی ہیں اور نفرت آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے آشوب کو اجتماعی رنگ دے کر ممتاز طبقے کے لیے سوالیہ نشان چھوڑ جاتے ہیں۔[23]

تبسم کاشمیری کا ذاتی دُکھ کائناتی میں بدل جاتا ہے جب وہ سماج میں پسے ہوئے طبقے کا معیارِ زندگی دیکھتے ہیں تو انھیں ان بڑے برجوں اور فصیلوں کے پیچھے رہنے والے لوگوں سے گھن آتی ہے، جو ظلم و بربریت سے غربا کا استحصال کر کے ان کے حقوق غضب کرتے ہیں۔ ان فصیلوں اور برجوں پر انھیں ہر جانب خون نظر آتا ہے۔[24]

حوالہ جات

---

(1) گلزار، ’’ چاند پکھراج کا‘‘، (لاہور: اساطیر، ۱۹۹۵ء)، ص: 34۔

(2) ایضاً، ص: ۳۶، ۳۷۔

(3) ایضاً، ص: ۱۳۸، ۱۳۹۔

(4) حنیف رامے، ’’دن کا پھول‘‘ (نظمیں)، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص: 26، 27۔

(5) ایضاً، ص: ۴۸۔

(6) ایضاً، ص: ۱۵۱۔

(7)

(8)

(9)

(10)

(11) سعادت سعید، ’’فنونِ آشوب‘‘، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ص: 30۔

(12) ایضاً، ص: ۵۴۔

(13) ایضاً، ص: ۱۱۰۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

(14)

(15)

(16)

(17)

(18)

(19)

(20)

(21)

(22)

(23)

(24)